Dr.Shyama Prasad Mukherjee University,Ranchi

BA Semester- 2

URD-HC-201

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجئے۔

1- اکبرالہ آبادی کا پورا نام کیا تھا؟

(الف) سید اکبر حسین رضوی (ب) شیخ احمد (ج) خواجہ الطاف حسین حالی

2- ''آدمی نامہ'' کس کی نظم ہے؟

(الف) نظیر اکبرآبادی (ب) الطاف حسین حالی (ج) اکبرالہ آبادی

3- ان میں سے کون سی نظم الطاف حسین حالی کی ہے؟

(الف) مفلسی (ب) برق کلیسا (ج) برکھارُت

4- نظیر اکبرآبادی کے والد کا کیا نام تھا؟

(الف) اشرف خان (ب) ولی محمد (ج) سید محمد فاروق

5- 'مفلسی' کس کی نظم ہے؟

(الف) الطاف حسین حالی (ب) نظیر اکبرآبادی (ج) سراج اورنگ آبادی

6- نظیر اکبرآبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(الف) ولی محمد (ب) سراج اورنگ آبادی (ج) خواجہ میر درد

7- 'برق کلیسا' کس کی نظم ہے؟

(الف) حالی (ب) اکبرالہ آبادی (ج) غالبؔ

8- ان میں سے الطاف حسین حالی کی کون سی نظم نہیں ہے؟

(الف) مرثیہ دہلی (ب) برکھارُت (ج) آدمی نامہ

9- الطاف حسین حالی کہاں پیدا ہوئے تھے؟

(الف) پانی پت (ب) گجرات (ج) لکھنؤ

10- عوامی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) الطاف حسین حالی (ب) جگر مرادآبادی (ج) نظیر اکبرآبادی

درج ذیل سوالوں کا جواب دیں۔

11 نظم کی تعریف بیان کیجیے؟

12 الطاف حسین حالی کی حالاتِ زندگی پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے؟

13 نظیر کی نظم ''آدمی نامہ'' میں آدمی کے کون کون سے روپ کو بیان کیا گیا ہے؟ اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔

14 نظم 'روٹیاں' پر ایک نوٹ لکھیے؟

15 نظیر اکبرآبادی کی نظم ''مفلسی'' کا تجزیہ کیجیے؟

16 اکبرالہ آبادی کے نظموں کی خصوصیات بیان کیجیے؟

17 اکبرالہ آبادی کی شخصیت پر روشنی ڈالیئے؟

18 حالی کی نظم نگاری سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے؟

2.3.2: نظم

نظم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لڑی میں پرونا ہے۔ نظم کا شاعر بھی اپنے خیالات کو تسبیح کے دانوں کی مانند لفظوں کے دھاگے میں پروتا ہے۔ نظم میں شاعر کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات اور تجربات ومشاہدات قدرے تفصیلات کے ساتھ (جس کی گنجائش غزل کے فارم میں قطعاً نہیں ہوتی) بیان کرسکتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہماری شعری تاریخ کے ہر دور میں نظمیں لکھی گئی ہیں، جن میں مثنوی، مرثیہ، قصیدہ سب شامل ہیں اس لیے کہ نظم کی ان تمام شکلوں میں حقیقی اور غیر حقیقی قصے، واقعے یا تجربے کو فنکارانہ انداز سے نظم کیا جاتا ہے۔ البتہ مغربی اثر سے 19 ویں صدی کے اختتام میں محمد حسین آزاد، حالی، شرر اور اسمٰعیل میرٹھی وغیرہ کی تحریک پر نظم کا جو جدید تصور پیدا ہوا وہ اس معنی میں نیا اور دلچسپ تھا کہ یہ کسی خاص موضوع (theme) کا نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ فطری زندگی، کائنات کے مظاہر وممکنات اور شاعر کے داخلی احساسات کے لیے زیادہ موزوں اور پُر اثر اظہار تھا جس کی روایت ہمارے یہاں پہلے موجود نہ تھی۔ 18 ویں صدی میں صرف واحد مثال نظیر اکبرآبادی کی نظم کہی جاسکتی ہے لیکن وہ بھی جدید تخلیقی نظم کے بالمقابل نہیں رکھی جاسکتی اس لیے کہ ان میں تخیل کی رنگارنگی، فکر کی گہرائی، توانائی اور اپج نہیں ہے۔

ابتدا میں ہماری نظم غزل کی طرح ردیف وقافیے کی پابند تھی، لیکن دھیرے دھیرے اس کی ہیئت میں تبدیلی آئی (Blank Verse) شعری نظم جس میں قافیے کی قید نہیں ہوتی اور پھر آزاد نظم (Free Verse) جس میں ردیف وقافیے کے علاوہ مصرعے بھی چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، ان کو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس طرح نظم کا ایک آزاد وجود سامنے آیا۔ نظم کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس میں ڈرامے کی طرح ابتدا، انتہا، عروج اور منطقی انجام بھی ہوتا ہے۔

جدید نظم میں جن شاعروں کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان میں سے چند کے نام اس طرح ہیں:

آزاد، حالی، چکبست، اقبال، جوش، سردار جعفری، میراجی، ن م راشد، اختر الایمان، فیض، مخدوم، مجید امجد وغیرہ۔

Scanned by CamScanner

آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس وگدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار وبے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال وقطب وغوث و ولی آدمی ہوے منکر بھی آدمی ہوے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف وکرامات کے کیے حتّٰی کہ اپنے زہدوریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خُدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن وقبح میں ہے یاں ظہور شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکروزوُر
اور ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

Scanned by CamScanner

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلّا کے آدمی کو پُکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال سچّا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹھ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقّہ صراحی جُوتیاں دوڑیں بغل میں مار کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا کس کس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہوگیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں کمخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

Scanned by CamScanner

21.9.1 نظم ''مفلس'' کا تجزیہ

نظیر اکبر آبادی اردو نظم کے ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے فطری موضوعات کے علاوہ سماجی، معاشی اور معاشرتی موضوعات پر بھی نظمیں لکھیں۔ ایسی ہی نظموں میں نظیر کی نظم ''مفلسی'' کا شمار ہوتا ہے۔ یہ نظم نظیر کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس نظم کو انہوں نے پانچ مصرعوں کے بند یعنی مخمس میں نظم کیا ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے، جس میں سماجیاتی مطالعہ کے ساتھ نظیر نے ان حقائق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن کی وجہ سے مفلسی اور بدحالی کے پھیلنے کا امکان رہتا ہے۔ 19 بند پر مشتمل نظم ''مفلسی'' بنیادی طور پر وضاحتی انداز کی نظم ہے۔ اس نظم میں نظیر نے اپنے مشاہدے کی گہرائی اور تشبیہ اور تلمیح کے استعمال اور محاورے کی گرمی سے ایسا ماحول تیار کر دیا ہے کہ یہ نظم مفلسی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔

Scanned by CamScanner

نظم کے پہلے بند میں نظیر اکبر آبادی نے بتایا ہے کہ جب آدمی پر مفلسی کا حملہ ہوتا ہے تو وہ مختلف طریقوں سے انسان کو پریشان کرتی ہے۔ کبھی وہ رات بھر بھوکا سلاتی ہے اور کبھی پیاسا رہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جس پر بھی مفلسی آتی ہے اُسے ہر قسم کے دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ حکیم جو مختلف بیماریوں کا علاج کرتا ہے اور جس کی عزت بڑے بڑے نواب اور پٹھان بھی کرتے ہیں لیکن وہ بھی غریب ہو جائے تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ حد یہ ہے کہ لقمان سے بڑا طبیب اور عیسیٰ جیسا مسیحا بھی موجود ہو لیکن وہ غریب ہو تو اس کی تمام تر حکمت غریبی میں ڈوب جاتی ہے۔

سر نظیر نے نظم کے تیسرے بند میں بتایا ہے کہ اہل علم و فضل بھی ہوں اور ان کو مفلسی گھیر لے تو وہ غریبی کی وجہ سے کلمہ تک بھول جانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بھوکے سے کوئی الف کے بارے میں پوچھے تو وہ اسے ب بتاتا ہے۔ غریب کے بچوں کو پڑھانے والا سدا مفلس ہی رہتا ہے اور اگر کوئی غریب کے گھر مفلسی آتی ہے تو وہ عمر بھر جا نہیں سکتی۔ اگر مفلس کسی مجلس کے درمیان اپنا حال بیان کرتا ہے تو لوگ یہی تصور کرتے ہیں کہ اس نے روزگار حاصل کرنے کے لیے یہ جال پھیلایا ہے۔ غریب کے پاس لاکھوں علم و کمال ہوں لیکن وہ مفلس ہو تو ہزار سنجالا لینے کے باوجود اس سے لغزش ہو جاتی ہے اس طرح مفلسی انسان کی تمام صلاحیتوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

نظم "مفلسی" کے پانچویں بند میں نظیر اکبر آبادی نے بتایا ہے کہ جب انسان مفلس بن جاتا ہے تو اسے اپنی عزت سے زیادہ روٹی یا نان پیاری ہوتا ہے اور وہ ایک ایک روٹی پر جان دینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ جہاں بھی روٹی اور کھانے کا خوان دیکھتا ہے اس پر بھوکے کتے کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس طرح مفلسی نہ صرف روٹی کے لیے جھگڑا کراتی ہے بلکہ حد درجہ ذلیل بھی کرواتی ہے۔ مفلسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیا کی بنیاد پر جن باتوں سے انسان خود کو بچائے رکھتا ہے وہ سب کام کرنے پر وہ مجبور ہو جاتا ہے اور اس میں حلال و حرام کی بھی تمیز باقی نہیں رہتی۔ غرض جسے شرم و حیا کہتے ہیں مفلسی کی وجہ سے وہ انسان سے رخصت ہو جاتی ہے۔

نظم کے ذریعے نظیر اکبر آبادی نے ساتویں بند میں بتایا ہے کہ اگر انسان پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو اور وہ شور و غل مچائے تو لوگ گوارا کر لیتے ہیں لیکن مفلس کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ غم کے بغیر ہی ہائے ہائے کرتا ہے اور اس کے واویلا مچانے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مفلسی کی وجہ سے اس میں اس قدر طاقت آ جاتی ہے کہ اگر کوئی مر جائے تو لاش اٹھانے کے لیے اس کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا۔ لاش کو بے کفن دفن کرنا پڑتا ہے۔ مفلسی کی وجہ سے نہ تو چولہے پر آگ رکھا جا سکتا ہے اور نہ مٹکے میں پانی بھرا جا سکتا ہے۔ مفلسی کھانے پینے اور اس کے لیے رکابی حاصل کرنے کو بھی محتاج کر دیتی ہے جس کی وجہ سے مفلس بے فیرت بن جاتا ہے اور غریب کی بیوی کی عزت بھی ہر ایک کے دل سے ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اگر مفلسی اسے گھیر لے تو اس کے تحمل انسان کی قابلیت گھٹ جاتی ہے اور اسے لوگ گدھے اور بیل کا درجہ دیتے ہیں کیونکہ وہ افلاس کے مارے پھٹے کپڑوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ چہرہ اور بدن کی پاکی پہ توجہ نہیں دے سکتا۔ افلاس کی وجہ سے انسان کی شکل قیدیوں جیسی ہو جاتی ہے۔

مفلسی کا اثر کیا ہوتا ہے اس کا جائزہ لیتے ہوئے نظیر اکبر آبادی یہ بتاتے ہیں کہ جب کسی پر مفلسی آتی ہے تو اس کی وجہ سے دوستوں میں عزت گھٹ جاتی ہے اور چاہنے والوں کی محبت میں کمی آتی ہے اپنے اور غیر میں فرق بڑھ جاتا اور اسی کے ساتھ شرم و حیا کے علاوہ عزت اور حرمت میں بھی مفلسی کی وجہ سے کمی آتی ہے۔ بہر حال انسان پر مفلسی آ جائے تو اس کی بدولت جسم کی صفائی نہ ہونے سے بال اور ناخن بڑھ جاتے اور انسان صفائی کی خصوصیات کھو دیتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے بتایا ہے کہ مفلسی کی وجہ سے شرافت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسانی عزت باقی نہیں رہتی، عزت کے خاتمے کے ساتھ تعظیم اور احترام ختم ہو جاتی ہے اور انسان اس قدر ذلیل ہوتا ہے کہ اسے محفلوں میں جوتوں کے قریب بیٹھنا پڑتا ہے۔ غرض مفلسی ایک ایسی حقیقت ہے جو غیرت کو خاک میں ملانے، محنت کا خاتمہ کرنے اور انسان کو چوری کی طرف راغب کرنے کا کام انجام دیتی ہے اور اسی مفلسی کی وجہ سے انسان بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نظم کے آخری بند میں نظیر اکبر آبادی کہتے ہیں کہ دنیا میں خدا کسی بادشاہ یا فقیر کو کبھی مفلسی میں گرفتار نہ کرے کیونکہ مفلسی ہی شریف انسان کو حقیر بناتا ہے۔ اس کی خرابیاں کہاں تک بیان کی جائیں بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ خدا ہر انسان کو مفلسی سے محفوظ رکھے کیوں کہ مفلسی انسان کے دل کو جلاتی ہے۔ نظیر اپنی اس نظم کو دعائیہ کلمات پر ختم کرتے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم مفلسی میں بے شمار محاورے، تشبیہات اور استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی نظم میں تلمیحات کی بھی کمی نہیں۔ وہ حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ کا تلمیحی اشارہ اپنی نظم میں استعمال کرتے ہیں۔ نظیر نے نئی لفظیات کو استعمال کرنے کے ساتھ روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کو بھی اس نظم میں جگہ دی ہے۔ چنانچہ بی بی کا نتھ، لڑکوں کے ہاتھ کے کڑے، چھت کی کڑیاں، دروازے کی زنجیر، چولھا، توا، رکابی اور کھانے پینے کی تمام چیزیں اس نظم

Scanned by CamScanner

میں شامل ہیں۔ان کی تشبیہات اور استعارے اس حقیقت کا اشارہ کرتے ہیں کہ نظیر اکبر آبادی نے مفلسی کو ایک جرم کی حیثیت دی ہے۔ چنانچہ وہ انسان کو مفلسی کے دلدل سے نکالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مفلسی کی وجہ سے شرافت اور عزت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

Scanned by CamScanner

21.3.1: اکبر الہ آبادی کے کلام کی خصوصیات

اکبر کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ تقریباً دس سال کی عمر میں اس کی ابتدا کی۔ کلام پر اصلاح استاد غلام حسین وحید سے لی جو آتش کے شاگرد تھے۔ ابتداً انھوں نے غزلیں کہیں اور ان میں روایتی موضوعات کو ہی جگہ دی جنھیں آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کی شناخت شاعرِ طنز و مزاح کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اکبر کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری ہی ان کی دائمی شہرت کا سبب بنی۔ اس میدان میں ان کا کوئی ہم سر نہیں۔ ان کی شاعری محض لطف و انبساط کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اسے انھوں نے قوم او معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک موثر وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ملازمت کے دوران انھیں انگریزوں کے طور طریقوں اور مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اس کے منفی اثرات سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا انھوں نے مغرب کی کورانہ تقلید اور انگریزی تعلیم کے منفی اثرات پر بھرپور وار کیے ہیں۔ نئی نسل کی اپنی مذہبی اور تہذیبی روایات سے بے اعتنائی، نوجوانوں کی بے راہ رہی اور عدالتوں کی بے جا آزاری کو اکبر نے بالخصوص اپنے طنز کا نشانہ بنایا۔ انھوں نے معاشرے کی خرابیوں کو براہِ راست نہیں بلکہ بالواسطہ طور پر دل چسپ اور لطیف انداز میں پیش کیا جس سے کسی طرح کی ناگواری یا بھدّے پن کا احساس نہیں ہوتا۔

معمولی الفاظ کو بھی اکبر نے اپنی فن کارانہ صلاحیت سے دل چسپ اور غیر معمولی بنا دیا ہے۔ انھیں نئی وسعت عطا کی ہے اور نئے مفاہیم سے آشنا کیا ہے۔ مرزا، صاحب، شیخ، بدّھو، جُمّن، کلّو، ٹٹّو، اونٹ، گائے وغیرہ الفاظ کو مختلف مفاہیم کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ سے بھی انھوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے اور انھیں ہندوستانی لب و لہجہ عطا کر کے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ سرسید کی خدمات کے دل سے معترف ہونے کے باوجود ان کے نظریے سے متفق نہیں تھے۔ لہٰذا لفظ 'سید' سے انھیں بھی اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

اکبر کی ظرافت میں فحاشی اور پھکّڑ پن نہیں ہے بلکہ بذلہ سنجی کے ساتھ یہ معنویت سے پر بھی ہے۔ روزمرّہ، محاورہ، لفظی مناسبت، ترکیب کی ندرت اور قافیہ وعیظ سے انھوں نے اکثر اپنی ظرافت میں جان ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ سیاست کے ساتھ ساتھ رندو پارسا، امیر و فقیر، عالم و جاہل، صاح، ہندو مسلم، شیعہ و سنّی، مندر، مسجد، کالج، اسکول، خانقاہ، میکدہ، کاؤنسل، کچہری وغیرہ سب کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔ اکبر نے اپنی نظموں سے وہ کام لیے ہیں بڑے سے بڑے اخلاقی مضامین اور تقریروں سے نہیں لیے جا سکتے تھے۔ بحیثیت مصلح شاعری میں ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔

Scanned by CamScanner

مولانا الطاف حسین حالی

اردو شاعری کو روایتی ڈگر اور غیر صحتمند جذبات واحساسات کے دائرے سے نکال کر زندگی سے اس کا رشتہ استوار کرنے والے شعراء میں حالی کا نام سرفہرست ہے، حالی نے اردو شاعری کو زندگی کا ترجمان و آئینہ دار بنایا۔

مولانا حالی سادہ و پرخلوص اور تصنع سے پاک شخصیت کے مالک تھے ان کی تربیت روایتی انداز میں ہوئی تھی لیکن قدرت نے انھیں ذوق سلیم اور ترقی پسند ذہن عطا کیا تھا، مناسب ماحول اور صحیح رہنمائی نے ان کی فطری صلاحیتوں کو جلا بخشا، شیفتہ و غالب کی رہنمائی نے ان کے ادبی سفر کی صحیح سمت متعین کی، انجمن لاہور سے وابستگی ان کے ذہنی افق کو وسیع کرنے اور شعر و ادب میں صحتمندانہ رجحان اور افادی نقطۂ نظر اپنانے کے سلسلے میں معاون ثابت ہوئی، یہیں انھیں انگریزی ادب میں پائے جانے والے صحتمندانہ رجحانات سے آگاہی حاصل ہوئی جس سے ان کے اندر علم دوستی، حب وطن اور غم انسانیت جیسے اوصاف پیدا ہوئے، انگریزی شعر و ادب کا اثر قبول کرنے کے بعد ہی وہ نیچرل شاعری کی طرف متوجہ ہوئے اور شاعری کو اخلاقی، سماجی و ملکی خیالات کی ترجمانی کا ذریعہ بنایا، اسی زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد کی تحریک پر "برکھارت" "حب وطن" اور "مناظرہ رحم وانصاف" جیسی نظمیں لکھیں، یہ نظمیں اپنی ہیئت اور مواد دونوں اعتبار سے اردو شاعری میں نئی ہیں، ان نظموں میں سادگی، ملاست، برجستگی، فکری ربط و تسلسل کے ساتھ ساتھ حالی کا خلوص، حب وطن اور درد انسانیت نمایاں ہے۔ اپنی ان اچھوتی اور منفرد نظموں کے ذریعہ حالی نے یہ ثابت کر دیا کہ خارجی واقعات، مناظر قدرت اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی موضوعات کو بھی عنوان شاعری بنایا جا سکتا ہے۔

حالی کے اس نئے شاعرانہ رجحان کو سرسید کے خیالات سے کافی قوت ملی، سرسید کے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر نے حالی کے فکر و شعور میں پختگی پیدا کی اور ان کے ذہنی سفر کو ایک نئی منزل عطا کی۔ سرسید کی تحریک سے متاثر ہو کر اپنی شاہکار نظم "مسدس" لکھی جو مدوجزر اسلام کے نام سے مشہور ہے۔ مسدس ایک نظم ہی نہیں بلکہ ایک مشعل راہ اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور مسلمانوں کی قومی زندگی کی نشاۃ ثانیہ

Scanned by CamScanner

کے لئے ایک تحریک کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ نظم صرف حالی کے فکر و شعور کی پختگی اور بالغ نظری ہی کی آئینہ دار نہیں، یہ حالی کی فنکارانہ بصیرت کا بھی پتہ دیتی ہے۔ اس میں نظم نگاری کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

حالی کی کامیاب نظموں میں ''مناجات بیوہ'' اور ''چپ کی داد'' کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ''مناجات بیوہ'' میں حالی نے ایک بیوہ کو خدا کی بارگاہ میں اپنی حالت زار پر فریاد کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ یہ نظم ہر سوز و گداز اور اثر آفرینی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ حالی نے بڑے موثر انداز میں بیوہ کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے اور انسانیت سوز سماجی اقدار کو ہدف ملامت بنایا ہے۔

حالی نے مرثیہ غالب لکھ کر مرثیہ نگاری کی بہترین مثال قائم کی ہے اور اردو شاعری میں شخصی مرثیہ نگاری کو رواج دیا ہے۔ اس مرثیہ میں حالی کا فن اپنے عروج پر ہے۔ یہ مرثیہ پاکیزہ لب و لہجہ، زبان کی شیرینی اور پرخلوص جذبۂ عقیدت کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مرثیہ میں حالی کے سماجی شعور اور قومی درد کی جھلک نمایاں ہے۔ حالی نے غالب کی موت پر اپنے ذاتی غم سے زیادہ اس قومی نقصان پر اپنے غم کا اظہار کیا ہے جو قوم کو غالب جیسے نکتہ رس شاعر، فلسفی، دانشور اور شریف انسان کی موت کی وجہ سے اٹھانا پڑا ہے۔ اس مرثیہ میں انھوں نے غالب کی شخصیت کو یوں ابھارا ہے کہ ہندوستان کا ادبی، سماجی اور تہذیبی پس منظر روشن ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ حالی نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا، اور اسے زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان بنایا، مقدمہ شعر و شاعری میں اصلاح شعر و سخن سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے انکی شاعری اس کی عملی تفسیر ہے۔ اردو شاعری جو چند موضوعات کے اردگرد گردش کر رہی تھی حالی نے اس کے سامنے ایک وسیع کینوس پیش کیا۔ اردو شاعری میں نئے نئے امکانات روشن کئے، اس کو نئی سمت عطا کر کے صحتمندانہ رجحانات سے روشناس کرایا۔ اس طرح اردو شاعری میں آج جو وسعت، ہمہ گیری اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نظر آتی ہے اس کا سہرا حالی کے سر ہے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

دودھ ہمارے لئے دودھ اور شہد سے بھی اور گرچے ۔۔۔
پیری ہو یا سادہ ہو چپاتی ہو گیہوں کی ہو جوار کی ہو باجرے کی ہو یا چنے کی ہو ہم کو تو ہر طرح کی
روٹیاں اچھی لگتی ہیں۔

روٹیاں (خلاصہ)

اس نظم میں شاعر نظیر اکبرآبادی یعنی آگرہ کے رہنے والے نظیر صاحب نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ دنیا میں جتنے دھندے ہو رہے ہیں۔ جس قسم کے بھی تگ و دو ہے۔ جتنے بھی پیشے اور صنعتیں ہیں جتنی بھی مذہبی سماجی اور سیاسی سرگرمیاں ہیں۔ ان سب کا محرّک صرف کسبِ معاش اور روٹی کی جستجو ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے دنیا کی بہت سی دلچسپیوں، تماشوں، پیشوں، تگ و دو اور صنعتی و معاشی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے کہ سب ہمہ ہمی اور جدّ و جہد صرف روٹی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ بھوکا انسان کسی بھی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتا ہے۔ اور اس کا من کسی بھی کام میں نہ لگے گا۔ اُسے صرف اور صرف پیٹ بھرنے یعنی روٹی کی فکر ہو گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر جاندار اپنی خوراک حاصل کرنے کیلئے یا اپنی زندگی قائم رکھنے کیلئے کوئی نہ کوئی دھندا ضرور اختیار کرتا ہے۔ چاہے وہ جسمانی محنت کا ہو یا ذہنی عقلمندی و ہنرمندی کا روٹی کھا کر وہ زندہ رہتا ہے پڑھتا ہے اور اپنے جوڑے سے ملکر اپنی نسل کو بڑھاتا ہے۔ یہ ایک فطری ضرورت اور قدرتی عمل ہے۔ جو لوگ اسی عمل کو اپنے خالق مالک کے بتائے ہوئے حدود میں رہ کر انجام دیتے ہیں وہ مالک کے وفادار اور فرمانبردار کہلاتے ہیں اور جو بے روک ٹوک بالکل آزاد ہو کر انجام دیتے ہیں وہ ناشکرے اور منکر کہلاتے ہیں۔ روٹی میں بڑی کشش ہے اور وہ انسان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے۔ مگر اس سے بھی بڑی ایک چیز انجام کی فکر ہے جو انسان کو ہر پیشے میں ایمان دار رکھتی ہے۔

مشق اور مطالعہ

سوال ا:— پانچویں بند کی وضاحت کیجیے۔

Scanned by CamScanner

جواب:— مجھے اس نظم میں گیارہواں بند زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ اس میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا
نہ بدی ہے نہ نیکی ہے۔ نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے کوئی کسی کا نہیں ہے۔ بس سب لوگ اُسی کے
جہاں سے ان کا مفاد وابستہ ہے۔ جہاں سے ان کو روٹی ملتی ہے۔ یہ بند مجھے اسلئے پسند ہے کہ
بند میں دنیا کا پورا نقشہ کھینچکر رکھ دیا گیا ہے۔ اور نیکی بدی۔ رشتہ و دوستی کے فلسفہ کو کھول کر بیان
گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

جواب:— کسی شخص نے ایک کامل فقیر سے پوچھا کہ خدا نے یہ چاند سورج کس چیز سے بنائے ہیں۔ اس نے جواب دیا اللہ تیرا بھلا کرے۔ ہم تو نہ چاند جانتے نہ سورج۔ ہمیں تو یہ گول گول روٹیاں نظر آتی ہیں۔

سوال ۲:— پیٹ میں روٹی نہ ہو تو پھر کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب:— اگر پیٹ خالی ہو۔ اس میں غذا نہ ہو، انسان بھوکا ہو تو پھر اُسے دنیا کی کوئی چیز بھلی معلوم نہ ہوگی۔ دنیا کی جتنی نیرنگیاں ہیں، عیش و عشرت کے سامان ہیں۔ تفریحات اور دلچسپیاں ہیں وہ وہ سب بھرے پیٹ میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ بھوک سے انسان نڈھال اور کمزور ہو جاتا ہے۔ نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے نہ ہنسی مذاق کرنے کو۔ بھوکے انسان کیلئے حسن و شبات نغمہ و گیت، رقص و سرور۔ نظاروں کی دلکشی۔ سیر و تفریح سب بیکار ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جب جیب میں پیسہ ہوتا ہے جب پیٹ میں روٹی ہوتی ہے۔
اس وقت یہ دنیا جنت ہے اس وقت یہ ذرہ موتی ہے۔

اللہ کی عبادت اور انسانوں کی خدمت میں بھی خالی پیٹ من نہیں لگتا ہے۔ روٹی شکم میں ہو تو سب اچھا لگتا ہے۔

سوال ۳:— روٹی کے واسطے کسی کے کپڑے لال اور کسی کے لمبے بال کیوں ہیں؟

جواب:— روٹی حاصل کرنے کیلئے ہی کوئی سادھو بنتا ہے۔ لال یا گیروا کپڑے پہنتا ہے۔ کوئی چندن ٹیکا لگا کر پنڈت بنتا ہے پوجا پاٹ کرواتا ہے لوگوں کو قسمت کا حال بتاتا ہے۔ کوئی لمبی جٹائیں بڑھا کر ایشور کا بھگت بنتا ہے۔ اور اس طرح روٹی حاصل کرتا ہے۔ غرض کہ لوگ صرف روٹی حاصل کرنے کیلئے طرح طرح کے بھیس بناتے ہیں۔

سوال ۴:— اس نظم کا کون بند آپکو زیادہ اچھا لگا اور کیوں۔ پانچ جملوں میں لکھیے۔

Scanned by CamScanner

اکائی نمبر 21: اکبر الہ آبادی کی شاعری

ساخت

21.1 : اغراض و مقاصد

21.2 : تمہید

21.3 : اکبر الہ آبادی کا تعارف

21.3.1: اکبر الہ آبادی کے کلام کی خصوصیات

21.4: آپ نے کیا سیکھا

21.5: اپنا امتحان خود لیجیے

21.6: فرہنگ

21.7: سوالوں کے جوابات

21.8: کتب برائے مطالعہ

21.1: اغراض و مقاصد

Scanned by CamScanner

21.3: اکبر الہ آبادی کا تعارف

اکبر کا پورا نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔ ان کی پیدائش 16/نومبر 1846 کو ضلع الہ آباد کی تحصیل بارہ میں ہوئی۔ ان کے والد تفضّل حسین اپنے بڑے بھائی وارث علی کے ساتھ، جو بارہ میں تحصیل دار تھے، رہتے تھے۔ اکبر کی پیدائش کے کچھ دنوں بعد خاندان کے افراد داؤدنگر، ضلع گیا، بہار چلے گئے جہاں اکبر کے والد کے چچا یعنی اکبر کے دادا رہتے تھے۔ اکبر نے پڑھنا لکھنا یہیں شروع کیا۔ وہ پڑھنے لکھنے کے بہت شوقین اور غیر معمولی طور پر ذہین تھے۔ حافظہ بلا کا پایا تھا۔ دینی تعلیم کے علاوہ فارسی، عربی اور اردو زبان بہت جلد سیکھ لی۔ ریاضی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو ریاضی کے ماہر تھے۔ اکبر کو یہ مہارت وراثت میں ملی۔ اکبر کی والدہ بہت نیک اور مذہبی خاتون تھیں۔ انھوں نے شروع سے ہی اکبر کو مذہبی رسوم کی ادائیگی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔

اکبر کے دادا سید فضل الدین 1855 میں جب داؤدنگر سے ملازمت کے سلسلے میں الہ آباد آئے تو ان کے خاندان کے سبھی افراد آ گئے اور یہیں بس گئے۔ اکبر نے کم عمری میں ہی اردو کی اہم داستانیں الف لیلیٰ اور قصہ حاتم طائی پڑھ لی تھی۔ دس سال کی عمر میں انھیں الہ آباد کے جمنا مشن اسکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں انھوں نے دل چسپی سے پڑھنا شروع کیا تھا کہ اگلے سال یعنی 1857 کے ہنگامے کی وجہ سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ جائداد ضبط ہونے سے گھر کی مالی حالت خراب ہوگئی۔ اکبر کے والد نے اپنے ایک دوست کے ذریعے اکبر کو عدالتی پروانہ نویسی سیکھنے کے لیے راضی کیا۔ فطری مناسبت ہونے کی وجہ سے انھوں نے یہ کام بہت

Scanned by CamScanner

جلد سیکھ لی اور انھیں معمولی ملازمت بھی مل گئی۔

1859 میں الہ آباد کے مجسٹریٹ آر ڈبلیو آئی ہنسن کی نظرِ عنایت سے عدالت میں نوکری مل گئی ہنسن نے اپنے بنگلے میں رہنے کو جگہ دی۔ انھوں نے اپنے بیرے اور خانساماں کو اکبر کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت دے رکھی تھی۔ ہنسن کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن بہت جلد انھیں دوسری ملازمت مل گئی۔ یہ بھی عارضی تھی۔ اس کے بعد انھیں جمنا پل کی تعمیر کے سلسلے میں ملازمت مل گئی۔ ملازمت کے دوران بھی اکبر نے اپنے مطالعہ برابر جاری رکھا۔ شعر و ادب، تصوف، تاریخ، فلسفہ سب ان کے مطالع میں تھے۔ اکبر کی پہلی شادی تقریباً سترہ سال کی عمر میں ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بنا پر یہ اکبر کے لیے ذہنی الجھنوں کا سبب بنی رہی۔ 1876 میں خاندان والوں کے اصرار اور اپنی خواہش کے مطابق دوسری شادی کر لی۔ اس سے ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی۔

1866 میں وکالت امتحان پاس کرنے کے بعد الہ آباد میں باقاعدہ وکالت شروع کر دی۔ والد کی خواہش کے مطابق کچھ دنوں میجا تحصیل میں تحصیل دار بھی رہے لیکن اس پیشے سے خوش نہیں تھے لہٰذا جلد جھٹکارا حاصل کر لیا۔ ایک انگریز جج ٹرول نے ان کی قابلیت اور لیاقت کو دیکھتے ہوئے عدالت میں انھیں مسل خواں کی حیثیت سے رکھ لیا۔ رات دن محنت کر کے اکبر نے اپنی انگریزی لیاقت میں اضافہ کر لیا اور بہت جلد انگریزی میں قانونی نکتوں کو سمجھنے اور بیان کرنے کے قابل ہو گئے۔ 1873 میں ہائی کورڈ کی وکالت کا امتحان پاس کر کے ہائی کورٹ میں وکالت شروع کر دی۔ اب ان کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل چکی تھی۔ دوسرے وکلا اور جج صاحبان بھی ان کی قدر کرتے تھے۔

1880 میں مرزاپور میں قائم مقام منصف کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ بعد میں ہمیر پور اور کچھ عرصے بعد دوسرے درجے کے منصف کی حیثیت سے خورجہ بھیج دیے گئے۔ یہاں انھوں نے ہائی کورٹ کی خراب اور خستہ حالت کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سرسید کو جب یہاں اکبر کی موجودگی کا علم ہوا تو انھوں نے 1888 میں اکبر کا تبادلہ علی گڑھ میں بحیثیت سب جج کرا دیا۔ وہ اپنا کام محنت اور دیانت داری سے کرتے۔ اپنے افسروں کا ادب کرتے لیکن ڈرتے نہیں تھے۔ مقدمات کو فیصل کرنے میں کسی خوف، لالچ اور رعایت کی پروانہیں کرتے تھے۔ 1892 میں ترقی دے کر انھیں سیشن جج بنا دیا گیا۔ یہ عہدہ حاصل کرنے والے وہ پہلے ہندوستانی تھے۔ اس سلسلے میں وہ جون پور، برائچ، مین پوری اور سہارن پور میں رہے۔ عدالتی خدمات کے صلے میں انھیں 1892 میں 'خان بہادر' خطاب ملا اور ہائی کورٹ کا جج بنانے کی تجویز پیش ہوئی۔ صحت کی خرابی اور کم زور بینائی کی بنا پر انھوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ 1903 میں قبل از وقت پنشن لے لی۔ 1909 میں آنکھ کا آپریشن کرایا۔ 9/ستمبر 1921 کو بروز جمعہ مختصر علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

اکبر کے آخری ایام بڑی مصیبتوں میں گزرے۔ خاص کر چند خانگی اسباب کی بنا پر وہ بہت بد دل ہو گئے تھے لیکن طنز و مزاح کے ذریعے قوم کی اصلاح کا کام اواخر عمر تک کرتے رہے۔ انھوں نے چار جلدوں پر مشتمل ایک کلیات یادگار چھوڑا ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک دربار کیا تھا۔ یہ نظم اسی موقع پر لکھی گئی ہے۔ اس نظم کا شمار اکبر الہ آبادی کی مشہور نظموں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک عام فہم اور منظریہ نظم ہے جس میں منعقد کیے گئے دربار کے مختلف مناظر کو دل چسپ اور مزاح کے ساتھ ساتھ کسی قدر طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں طنز کی کاٹ واضح نہیں بلکہ پوشیدہ ہے جس سے اکبر کی غیر معمولی قدرتِ بیان کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے دہلی دربار کی شان و شوکت اور دور و نزدیک کے مختلف احوال و مناظر کو ترشے سرشائے ہوئے موزوں اور مختصر الفاظ میں نظم کیا ہے۔ اس میں سامراجی نظام کی اس مخصوص ذہنیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ہندستانیوں کو محکوم سمجھ کر انھیں مرعوب کرنے کے لیے انھیں کی دولت سے بے جا شان و شوکت اور جاہ و جلال کا مظاہرہ کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتا تھا۔

یہ نظم مختلف قطعات پر مشتمل ہے اور ہر قطعے میں چار نئے قافیے استعمال کیے گئے ہیں۔ قافیوں کا یہ اہتمام پوری نظم میں ایک مخصوص انداز میں کیا گیا ہے جس سے نظم کی معنویت اور دل چسپی میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہو گیا ہے۔ بعض قطعات میں صرف قافیوں کے استعمال سے ہی مزاح پیدا ہو گیا ہے اور بیشتر قطعات میں قافیوں کو اس طرح نظم کیا گیا ہے کہ صورتِ حال خود بہ خود پر لطف ہو گئی ہے۔ یہ اکبر کی فن کاری کی دلیل ہے۔

پاٹ، گھاٹ، لاٹ، کناٹ/ کمپ، پمپ، لمپ جمپ / نارنگی، سارنگی، رنگا رنگی/ بھٹکا، جھٹکا، لٹکا، اٹکا / من وسلوا، حلوا، بلوا، جلوا / سمندر، بندر، سکندر / ملاقی، ساقی، باقی، طباقی / برزن، کرزن، ہرزن / یکا یک، جھکا جھک وغیرہ قافیے بالخصوص دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ گویا نظم کو تسلسل کے ساتھ پڑھتے جایئے اور لطف اندوز ہوتے رہیے۔ جتنی بار پڑھیں گے ایک نیا لطف بہم پہنچے گا۔ نظم میں قافیوں کا استعمال موثر وسیلے کے طور پر ہوا ہے۔ اس نظم کا سارا حسن اس کے قافیوں میں اور جزو سے کل کا رشتہ جوڑ کر پڑھنے میں ہے۔ یہاں مختلف تصویروں کو ایک وحدت میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے۔

قافیوں کے ساتھ ساتھ انگریزی الفاظ اور محاوروں کا استعمال بھی معنی خیز انداز میں کیا گیا ہے۔

نظم 2 نئی تہذیب

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسوں میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے جب روئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا اندازِ طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال و سم ہوں گے

Scanned by CamScanner

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی — لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں — زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے — کتابوں ہی میں دفنِ افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا — ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

تشریح:

نئی تہذیب

اکبر کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ وہ قدامت پرست تھے اور نئی باتوں کے بالکل خلاف۔ یہ رائے ان کے کلام کے مطالعہ سے اخذ کی گئی ہے لیکن حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اکبر کی پرورش دینی ماحول میں ضروری ہوئی تھی اور وہ نماز روزے کے سختی سے پابند تھے لیکن وہ مغربی تہذیب کے پروردہ تھے اور ملازمت بھی انگریزوں کی کرتے تھے۔ وہ مغربی تہذیب کو اپنانے کے حق میں ضرور تھے لیکن اس حد تک کہ اس سے معاشرے اور اخلاق میں بگاڑ نہ پیدا ہو۔ اس کے لیے انھوں نے اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا اور اواخرِ عمر تک طرح طرح سے اس کے منفی اثرات سے آگاہ کرتے رہے۔ یہ نظم ان کے آخری زمانے کی یادگار ہے۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ تمام کوششوں کے باوجود مغربی تہذیب کا طوفانِ بلا تھمنے کا نام نہیں لے رہا اور مشرقی اقدار دھیرے دھیرے اپنی حقیقت اور معنویت کھوتی جا رہی ہیں تو انھوں نے اس طرح کا اظہارِ خیال کیا ہے۔ پوری نظم میں تسلسل کے ساتھ مختلف قدروں کے حوالے سے اسی کیفیت کی ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ ایک طرح سے اعترافِ شکست ہے۔ انھوں نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ سب درست ثابت ہوئے۔ لہٰذا اس کی معنویت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی اکبر کے زمانے میں تھی۔

اس نظم میں مشرقی اور مغربی تہذیبوں کو تقابلی انداز میں نظم کیا گیا ہے۔ مشرقی اقدار دھیرے دھیرے ختم ہوتی جائیں گی اور ان کی جگہ نئی تہذیب کے ساز و سامان موجود ہوں گے۔ مغربی اثرات کے زیر اثر حسن والے طرح طرح سے ناز و نخرے مظاہرہ کریں گے اور زلفوں اور گیسوؤں کے پیچ و خم پہلے جیسے نہیں ہوں گے۔ خواتین پردے کی پابندی سے آزاد ہو جائیں گی اور گھونگھٹ کرنے والے چہرے نظر نہیں آئیں گے۔ زمانے کی گردش سے طبیعتوں کا انداز بالکل بدل جائے گا اور خوشی و غم کے اسباب بھی پہلے جیسے نہیں رہیں گے۔ وقت اور زمانے کی ہوا موسم کے تبدیل ہونے کا صاف اشارہ کر رہی ہے۔ یعنی اب تو اور ہی گل کھلیں گے اور بلبل کے نغمے سننے کو نہیں ملیں گے۔ دین میں تبدیلی کی وجہ سے عقیدے متزلزل ہو رہے ہیں اور عبادت کا انداز بدل رہا ہے۔ یورپ کے نغموں کی تقلید کرنے والے بہت مل جائیں گے لیکن ناواقفیت کی بنا پر وہ سب کے سب بے جوڑ اور بے تال و سم یعنی بے سرا ہوں گے۔ ہندوستانی زبان مغربی زبان سے میل نہیں کھائے گی اور دونوں ایک دوسرے میں

Scanned by CamScanner

- اکبؔر کا زمانہ مشرقی اور مغربی تہذیبوں کے ٹکراؤ کا زمانہ ہے۔
- اکبؔر الہ آبادی کے حالاتِ زندگی سے واقف ہوئے۔
- معمولی ملازمت سے ترقی کرتے کرتے وہ سیشن جج تک پہنچے۔ عدالتی خدمات کے صلے میں انھیں خان بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔
- انھوں نے اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو قوم اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک موثر وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ فحاشی اور پھکڑپن سے گریز کیا ہے۔
- اکبؔر کے علاوہ حالؔی اور اقبالؔ نے بھی اپنی شاعری سے یہی کام لیا ہے۔

Scanned by CamScanner

21.6: فرہنگ

سودا	=	جنون، دھن
سنگین	=	ایک نوک دار ہتھیار جو بندوق پر لگایا جاتا ہے
جنگل میں منگل	=	ویرانے میں خوشی
برمھا	=	کائنات کو پیدا کرنے والا، خدا
عزّت خواہ	=	عزّت چاہنے والا
دہر	=	زمانہ، وقت، دنیا
زرّیں	=	سنہری، سونے جیسا
لامع	=	روشن، چمکنے والا
سامع	=	سننے والا
طامع	=	لالچی
لطف	=	مہربانی، عنایت
چولکھی	=	چار لاکھ کی، بہت قیمتی
من وسلوا	=	وہ کھانا جو موسیٰ کے لشکر بنی اسرائیل پر بھوک کی شدت کی حالت میں نازل ہوا تھا، مراد بہت لذیذ کھانا
اوج	=	بلندی، اونچائی، شان
پرتو	=	عکس، سایہ، پرچھائیں
ملاقی	=	ملنے والا، ملاقات کرنے والا
چرخِ ہفت طباقی	=	سات طبق والا آسمان، مراد ساتوں آسمان
ساقی	=	پلانے والا
خیر طلب	=	بھلائی چاہنے والے
عیش وطرب	=	خوشی، مسرت، شادمانی
اقلیدس	=	جیومٹری، ایک یونانی مفکر جس کے نام سے علم جیومٹری کی بنیاد پڑی
جشنِ عظیم	=	بڑا جلسہ

Scanned by CamScanner

بال = Ball۔ ایک قسم کا مغربی رقص

برزن = گلی، بازار

زہرہ = ایک سیارے کا نام، ناہید، مراد حسین عورت

اِندر = بارش کا دیوتا

بزمِ عشرت = خوشی کی محفل

ذہن رسا = تیز ذہن

راہیِ ملک عدم ہونا = دوسری میں چلے جانا، ختم ہو جانا، مر جانا

بہم ہونا = ملنا، ساتھ ہونا

زینت = آرائش، بناؤ سنگھار

حاجب = پردہ رکھنے والا، نگہبان، حفاظت کرنے والا

روئے صنم = دوست یا محبوب کا چہرہ

طبائع = طبع کی جمع، مراد طبیعتیں

دورِ گردوں = زمانے کا الٹ پھیر

زمزمہ = گیت، نغمہ

عقائد = عقیدہ کی جمع، یقین

مغنّی = گانے والا

تقلید = نقل، پیروی

بے تال وسم = بے سُرے

اصطلاح = ایسا لفظ جو لغوی معنی کے علاوہ کسی خاص مفہوم میں استعمال ہو۔

لغات = لغت کی جمع

بھاکا = بھاشا، زبان

صنم ہونا = مل جانا، ایک ہونا

زَعم = گھمنڈ، غرور

عظمت = بڑائی

جاہ وحشم = شان وشوکت، عظمت

تغیر = تبدیلی

Scanned by CamScanner

21.7: سوالوں کے جوابات

1۔ اکبر کی ابتدائی تعلیم داؤدنگر میں شروع ہوئی۔ وہ پڑھنے لکھنے کے بہت شوقین اور غیر معمولی طور پر ذہین تھے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی اور اردو زبان بہت جلد سیکھ لی۔ ریاضی کی تعلیم اپنے والد سے لی۔ دس سال کی عمر میں انھیں الہ آباد کے جمنا مشن اسکول میں داخل کرایا گیا لیکن اگلے سال 1857 کے ہنگامے کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ ملازمت کے دوران بھی انھوں نے اپنا مطالعہ برابر جاری رکھا۔ شعر و ادب، تصوف، تاریخ، فلسفہ سب ان کے مطالعے میں رہتے تھے۔

2۔ کم زور بینائی اور خراب صحت کی وجہ سے اکبر نے ہائی کورٹ کا جج کا اہم عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

3۔ اکبر کی شاعری طنز و مزاح کی شاعری ہے۔ اس میں فحاشی اور پھکڑپن نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو قوم اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک موثر وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔

4۔ نظم 'جلوۂ دربارِ دہلی' میں مختلف اور احوال کو دل چسپ اور طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم مختلف قطعات پر مشتمل ہے اور ہر قطعے میں چار نئے قافیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس نظم کا فنی حسن قافیوں کے مخصوص استعمال کی وجہ سے ہے۔ انگریزی الفاظ اور محاوروں کا استعمال بھی نظم کی دل چسپی کا باعث ہے۔

5۔

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
منہ کو ، اگرچہ لٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

6. یہ نظم اکبر کے آخری زمانے کی یادگار ہے۔ اس میں مشرقی تہذیب کے دم توڑنے اور مغربی تہذیب کے آہستہ آہستہ قدم جمانے کی بات کہی گئی ہے۔ اکبر کو یقین ہو چلا تھا کہ مغربی تہذیب کا طوفان تھمنے والا نہیں ہے۔ اس کے اثر سے مشرقی تہذیب کی تباہی یقینی ہے۔ پوری نظم میں تسلسل کے ساتھ مختلف قدروں کے حوالے سے اسی کیفیت کی ترجمانی کی گئی ہے۔

یہ نظم ایک طرح سے مشرقی اقدار کا مرثیہ ہے۔ اکبر ان تبدیلیوں کے آگے خود کو بے بس اور مجبور پاتے ہیں لہٰذا انتہائی مایوسانہ انداز میں کہتے ہیں کہ اب وہ دن بہت قریب ہیں کہ ہم لوگ زمانے کے اس انقلاب کو دیکھنے کے لیے موجود نہیں رہیں گے۔

Scanned by CamScanner

21.8: کتب برائے مطالعہ

1.	اردو شاعری پر ایک نظر	کلیم الدین احمد
2.	اکبر الہ آبادی	صغرا مہدی
3.	اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر صغرا مہدی

Scanned by CamScanner

نظیر اکبر آبادی کی نظمیں

حقانی القاسمی

معرفت عابد انور، D-64، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔110025، موبائل: 9891726444

سلیم احمد نے لکھا تھا کہ عورت کی طرح شاعری بھی پورا آدمی مانگتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے تخلیقی طرز اور تفاعل کو دیکھا جائے تو وہ 'نظم کا پورا آدمی' کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں۔ ایسا ہی آدمی زندگی کو اس کی کلیت اور تضادات کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ وہ ہر اس شے سے سروکار رکھتا ہے جس میں تنوع، بوقلمونی اور رنگارنگی ہو۔ ایسا آدمی زندگی کے ہر منظر سے لذت اور تجربہ کشید کرتا ہے۔ یہ تنہائی کے زنداں میں قید نہیں رہتا بلکہ بھیڑ کا حصہ بن کر حیات و کائنات کو متنوع اور مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے اور ایک نیا طرز حیات تشکیل دیتا ہے۔ وہ اپنا فلسفۂ حیات تنہائی نہیں ہجوم سے ترتیب دیتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی بھیڑ کے شاعر تھے۔ میلے ٹھیلے، کھیل تماشے ان کے تخلیقی محرکات تھے۔ عوامی جذبات و احساسات ان کے تخیل اور تخلیق کو مہمیز کرتے تھے۔ وہ عوام کے شاعر تھے۔ انھوں نے ان موضوعات اور مسائل کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا جن کا رشتہ عوام سے تھا۔ عوام ہی ان کی شاعری کا خاص کردار ہیں۔ عوامی معمولات اور مشاغل سے ان کا تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ تیراکی، کبوتر بازی، ورزش، کشتی یہ سارے مشغلے اختیار کیے اور ان مشغلوں نے انہیں جن تجربات سے گزارا ان کی عکاسی انھوں نے بڑی عمدگی سے اپنی نظموں میں کی ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے عوامی معاشرت اور ثقافت کے سارے رنگ اپنی نظمیہ شاعری میں اس طرح سمو دیے ہیں کہ نظیر کی شاعری ہندوستانی سماجیات اور عمرانیات کا ایک مستحکم حوالہ بن گئی ہے۔ سماجیاتی تناظر میں ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے معاشرت کے بہت سے زاویے سامنے آتے ہیں۔ ان کے ہاں مختلف معاشرتوں کے مظہر ہیں۔ مختلف طبقات کے احساسات ہیں۔ وہ فردیت نہیں اجتماعیت کے شاعر تھے۔ اسی لیے نظیر اکبر آبادی کی شاعری ذات کا نوحہ نہیں معاشرے کی داستان نظر آتی ہے۔ وہ لوک کتھائیں جن میں پورے ہندوستان کا سماج اپنے تمام رنگوں کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے ہاں طبقہ اشرافیہ کا پیدا کردہ معاشرتی جمود و تعطل نہیں تھا بلکہ ایک ایسا تحرک تھا جس نے ان کے حواس کو تجربات اور مشاہدات کے بیش بہا خزانے عطا کیے۔ انھوں نے عوامی اور جمہوری آوازوں سے اردو شاعری کو روشناس کرایا۔ ایک عام آدمی کو بھی نظیر کی شاعری میں اپنے دل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ نظیر کی نظم 'روٹیاں' پڑھتے ہوئے ایک عام آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ یہ اسی کی ذات اور زندگی سے جڑا ہوا مسئلہ ہے۔ وہ بھی نظیر کی طرح یہ سوچتا ہے:

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اوپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

اسی طرح غربت اور بدحالی کا شکار آدمی جب نظیر کی نظم 'مفلسی' پڑھتا ہے تو افلاس کے جانے کتنے زاویے اس کی نگاہوں میں روشن ہو جاتے ہیں اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ مفلسی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ یہ نظم صرف ذہن نہیں اس کی روح میں اتر جاتی ہے اور 'زوال آدمیت' کی منزلوں سے روشناس کراتی ہے:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی
کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان
تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خاں

Scanned by CamScanner

مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں
عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈباتی ہے مفلسی

یہ نظم مادیت کی معنویت کو روشن نہیں کرتی بلکہ زندگی کی ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے اور ایسی چھوٹی چھوٹی حقیقتیں معاشرت سے اختلاط اور میل جول کے نتیجے میں سامنے آتی ہیں۔

نظیر اکبرآبادی کی پوری نظمیہ شاعری ایسی ہی معاشرتی حقیقتوں کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے کتابوں کے قدیم فلسفوں اور نظریوں کو اپنا ذہنی محور نہیں بنایا بلکہ زندگی کے مشاہدات جن تجربوں سے آشنا کرتے گئے، وہی تجربے ان کی شاعری میں ڈھلتے گئے۔ نظیر نے اپنی شاعری پر ان فلسفوں کا بوجھ نہیں ڈالا جو آج کے صنعتی معاشرے میں اپنی معنویت کھو چکے ہیں بلکہ زندگی کی ان ابدی صداقتوں سے اپنا رشتہ جوڑا جنہیں زمانے کی بدلتی ترجیحات بھی نہیں جھٹلا سکتیں۔

نظیر کی شاعری میں آدمی کی ان بنیادی جبلتوں کا اظہار ہے جو ارتقائے انسانی کے باوجود تبدیل نہیں ہوسکتیں۔ 'آدمی نامہ' نظیر اکبر آبادی کی ایسی ہی نظم ہے جس میں انھوں نے آدمی کو اس کے تمام اضداد، طاقت، کمزوری، نیکی، بدی، کمینگی اور شرافت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ نظیر کی یہی حقیقت پسندی ہے جس نے ان کی نظموں کو مقبولیت کے ساتھ ساتھ امتیاز و اعتبار بھی عطا کیا ہے۔ 'آدمی نامہ' ان کے ذہنی مساوات کا ہی نہیں بلکہ فلسفۂ بشریت کا بھی مظہر ہے۔ آدمیت کی اس سے بہتر تعبیر و تفسیر نہیں ہوسکتی:

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ابدال و قطب و غوث ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لئے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جاملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر کے یاں کوئی بھی مخلوق مہمل نہیں ہے۔ وہ قدرت کی ہر مخلوق کو کائنات کے لیے کارآمد تصور کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کائنات کا سارا نظام اضدادی جوڑے پر مبنی ہے۔ روشنی کے لئے تاریکی ضروری ہے۔ اس کے بغیر روشنی کی اہمیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

نظیر کے شعری دربار میں سبھی کردار ایک ہوجاتے ہیں۔ کیا امیر و فقیر کیا مفلس و غنی۔

نظیر کے ذہن و دل دونوں ہی کشادہ تھے۔ ان کی نظموں کی بھی وسعت اور کشادگی ہے کہ انہیں ہر طبقہ، ہر فرقہ میں محبوبیت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ مذہب ہو یا معاشرت ہر باب میں ان کا کھلا ہوا آزادانہ رویہ تھا۔ وہ کسی طرح کے امتیاز اور تفریق کے قائل نہیں تھے۔ مذہب کے تعلق سے ان کا نظریہ اتنا وسیع تھا کہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
کوئی خالق باری سب مولا رحمان رحیم تنگری
کوئی الکھ روپ کرتار کہے ترکال نرنجن گردھاری
کوئی رام رام کہہ کر سمرے کوئی بولے شیوشیو ہری ہری

نظیر اکبرآبادی نے تہواروں اور تقریبات میں بھی کوئی تفریق نہیں برتی۔ عید ہو یا دیوالی، ہولی ہو یا شب برأت، بسنت ہو یا رکشا بندھن۔ ہر ایک پر نظمیں کہیں۔ عید پر تو انھوں نے صرف چار نظمیں کہی ہیں، مگر ہولی پر گیارہ، بسنت پر تین، دیوالی پر دو لکھی ہیں۔ یہ نظمیں ان کے مزاج اور طبیعت کی غماز ہیں اور اس بات کا بھی احساس دلاتی ہیں کہ نظیر زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوزی کے قائل تھے۔ مسرت یا خوشی کا موقع کہیں سے بھی نصیب ہو وہ اس کو گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ عام انسانی مسرتوں میں مذہب کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہولی پر نظمیں لکھیں تو پورے وفور جذبات کے ساتھ یوں لکھا کہ ہولی کی ساری شوخیاں شاعری میں سمٹ آئیں:

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھلکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں

یہ طور یہ نقشۂ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

ہولی کے اس بیانیہ میں نظیر کی شوخیِ طبیعت اس طرح گھل مل گئی

Scanned by CamScanner

ہے کہ نظیر کا پورا رومانی مزاج اور تہذیبی دید بازی کا شوق سامنے آجاتا ہے۔

دیوالی پر لکھی نظم میں بھی نظیر کی اسی شوخی اور کھلنڈرے پن کا نظارہ ملتا ہے:

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں نشاط کا یہ رنگ اس لئے بھی ہے کہ نظیر جس کردار سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ کرشن کنہیا کا کردار تھا۔ نظیر نے جتنی وارفتگی، شیفتگی کے ساتھ کرشن جی پر نظمیں لکھی ہیں شاید ہی ہندی کے کویوں نے اتنی عقیدت کے ساتھ لکھی ہوں گی۔ کرشن جی نظیر کے لیے ایک آئیڈیل تھے۔ اس لیے اس کردار میں مکمل طور پر محو ہوکر انھوں نے کنہیا جی کی راس، جنم کنہیا جی جیسی نظمیں لکھیں۔

بھکتی رس میں ڈوب کر نظیر نے کرشن جی پر ایک طویل نظم لکھی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کرشن جی کے کوائف اور کردار سے نہ صرف واقف تھے بلکہ خود اس کردار میں تحلیل ہوگئے تھے۔ کنہیا کی بانسری سے مست ہوکر نظیر نغمۂ محبت وعقیدت یوں چھیڑتے ہیں:

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی ہیں کچھ گیت جچا کے گاتی ہیں
کچھ ہردم مکھ اس بالک کا بلہاری ہوکر دیکھ رہیں
کچھ تھال پنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں
کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کرشن کی شخصیت سے نظیر اتنے متاثر تھے کہ انھوں نے کرشن کے اتنے ناموں کا اپنی نظموں میں استعمال کیا ہے کہ کرشن بھکت بھی شاید واقف نہ ہوں۔ مرلی دھر بجیا، گوؤ چریا، مہر کریا، جوگی بھیا۔ من موہن کرشن کنہیا۔ کرشن کی پوری اساطیری شخصیت رپیکر کو انھوں نے اپنی نظمیہ شاعری میں ڈھال دیا ہے۔

کرشن کنہیا کے بالپن سے لے کر ان کی راس تک کا بیان نظیر نے جس فن کاری کے ساتھ کیا ہے ایسی ہنرمندی تو ہندو شاعروں کو بھی شاید ہی نصیب ہوئی ہوگی۔

نظیر اکبرآبادی نے شیو جی اور پاروتی کے بیاہ کی کتھا بھی اس انداز سے بیان کی ہے کہ یقین ہی نہیں آتا کہ نظیر جیسا آزاد منش، قلندر صفت آدمی ہندی اساطیری علامات اور استعارات کا اتنا بڑا گیانی ہوگا۔

نظیر نے متھرا، گوکل، برندابن جیسے رومانی علاقوں سے اپنا فکری رشتہ اس طرح استوار کیا کہ ان علاقوں کی ہر اشارت، عبارت، ادا ان کی نظمیہ شاعری کے فکری اور لفظیاتی نظام کا حصہ بن گئی۔

نظیر نے ان علاقوں کی بولیوں اور الفاظ کو بھی اپنی نظمیہ شاعری میں نگینہ کی طرح سجایا ہے۔ یہ پراکرت سے ان کے ذہنی رشتے کا پتہ دیتے ہیں۔

نظیر نے نظمیہ شاعری کو نئے رنگ وآہنگ عطا کئے ہیں اور یہ رنگ وآہنگ انہی علاقوں سے مستعار ہیں جہاں سے نظیر کی آنکھوں کا گہرا رشتہ رہا ہے۔ ان کی پوری نظمیہ شاعری میں ہندوستانیت کی جو سوندھی سوندھی خوشبو ہے، مٹی کی جو مہک ہے، موسموں کے جو رنگ ہیں، وہ ان کے گہرے مشاہدات اور تجربات کا ثمرہ ہیں۔ ہندوستانی معاشرت اور تہذیب کا ہر رنگ ان کی شاعری کا عنوان بنا ہے۔ ہندوستان کے موسم ہوں یا پھل پھول، ہندوستان کا ہر ذرہ ان کی شاعری کا آفتاب ہے۔ موسم برسات یا گرما، زمستاں کا موسم ہو یا ہنس نامہ نظیر اکبرآبادی ہر نظم میں اپنی انفرادی لفظیات اور فکریات کے ساتھ عوام کے روبرو ہوئے ہیں۔

نظیر کی نظموں کا جہان بہت وسیع ہے۔ ان کے ہاں تنوع ہے۔ رنگا رنگی ہے۔ گلہائے رنگا رنگ نے ان کی شاعری کے چہرے کو جو شادابی اور شگفتگی عطا کی ہے وہ بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ موضوعاتی تنوع اور رنگا رنگی کا ہی جلوہ ہے کہ مولانا عبدالباری آسی نے نظیر اکبرآبادی کو ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیئر کہا ہے اور کلیم الدین احمد جیسا سخت گیر ناقد بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ اردو شاعری کے آسمان پر نظیر اکبرآبادی کی ہستی تنہا ستارہ کی طرح درخشاں ہے۔

مگر نظیر کو یہ درخشانی مدتوں بعد ملی ورنہ تو نظیر کو عامیانہ شاعری کے زمرے میں رکھ کر نظر انداز ہی کیا جاتا رہا۔ ان کی شاعری کو ناقابل اعتنا

Scanned by CamScanner

رفاروق کی اولاد میں زندہ بچنے والے صرف نظیر ہی تھے۔ اس فقیر نے
ما دی تھی کہ یہ بچہ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ اس کی خوشبو دور دور تک
ہنچے گی۔

فقیر کی دعا قبول ہوئی اور نظیر شاعری کے باب میں بے نظیر ہو گئے
لہ ڈاکٹر اشپرنگر جیسے صاحب نظر نے یہ لکھ دیا کہ نظیر ہی ہندوستان کا
احد شاعر ہے جو مغربی شاعری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔

ہو گیا، مگر اس مستی میں بھی نظیر نے مستقبل کی آہٹوں کو محسوس کر لیا تھا جبک
دانشورانہ نگاہیں امروز میں الجھ کر رہ گئی تھیں یا ماضی میں مست تھیں۔

۶/اگست ۱۸۳۰ء کو راہیِ ملک عدم ہونے والے نظیر آج بھی زند
ہیں کہ ان کے شعروں نے نہ صرف زندگی گزارنے، بسر کرنے کے
آداب سکھائے بلکہ نشاط زیست کا بھی سامان کیا۔

OO

قلمکاروں سے گزارش

- ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے/کہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات جن میں بینک اکاؤنٹ میں درج نام، اکاؤنٹ نمبر، بینک کا نام اور برانچ اور بینک IFSC کوڈ جو پاس بک اور چیک پر درج ہوتا ہے ضرور بھیجیں تاکہ تحریر شائع ہو جانے پر اعزازیہ بینک کے ذریعہ ٹرانسفر کیا جا سکے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

ـــــ ادارہ

Scanned by CamScanner

نظیر اکبرآبادی

(1740 تا 1830)

ولی محمد نام، نظیر تخلص تھا۔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں آگرہ چلے گئے۔ وہاں معلّمی کے فرائض انجام دیے اور ساری عمر آگرے میں گزار دی۔ نظیر نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن وہ نظم گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کا مشاہدہ وسیع تھا۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ہندوستان کے رسم ورواج، میلوں ٹھیلوں، تفریحات ومشاغل پر جتنی نظمیں نظیر نے کہی ہیں، شاید کسی اور شاعر نے نہیں کہیں۔ نظیر کو زبان وبیان پر قدرت حاصل تھی۔ اُن کی زبان انتہائی صاف، سہل اور سادہ ہے اور وہ اُردو کے عوامی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس وگدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار وبے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال وقطب وغوث و ولی آدمی ہوے منکر بھی آدمی ہوے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف وکرامات کے کیے حتّٰی کہ اپنے زہدوریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خُدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن وقبح میں ہے یاں ظہور شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکروزوُر
اور ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

Scanned by CamScanner

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلّا کے آدمی کو پُکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال سچّا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹھ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقّہ صراحی جُوتیاں دوڑیں بغل میں مار کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا کس کس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہوگیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں کمخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

Scanned by CamScanner

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مرگیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر اچھّا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(نظیر اکبرآبادی)

سوالات

1. اس نظم کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے، ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں؟
2. اس نظم میں آدمی کے جتنے روپ بیان کیے گئے ہیں ان میں سے دو دو ایسے روپ بیان کیجیے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔
3. نظم میں کن لوگوں کے خدائی کا دعوٰی کرنے کا ذکر کیا گیا ہے؟ نام لکھیے۔
4. شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ
انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی
یگانہ کے اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے 'آدمی نامہ' پر مختصر نوٹ لکھیے۔

Scanned by CamScanner

روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا　　کرتا پھرے ہے کیا وہ اُچھل کود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا　　ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے　　خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آگ جو جلتی حضور ہے　　جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام　　یا چکّی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام　　اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور　　آٹا نہیں ہے، چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور　　ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے　　یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے　　ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اُس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا　　اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا　　کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا
جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

Scanned by CamScanner

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو میلے کی سیر، خواہشِ باغ وچمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد وشیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(نظیر اکبرآبادی)

سوالات

1. روٹی کے تعلق سے نظم کا پہلا بند دوسرے تمام بندوں سے مختلف ہے، کیوں؟ جواب دیجیے۔
2. نظم کے آخری بند پر چند جملوں میں روشنی ڈالیے۔
3. انسان کی زندگی میں روٹی کیسے کیسے تماشے دکھاتی ہے؟ اس موضوع پر مختصر نوٹ لکھیے۔

Scanned by CamScanner

اکائی 39 : آدمی نامہ نظیر اکبر آبادی

ساخت

39.1: اغراض ومقاصد

39.2: تمہید

39.3: نظیر اکبر آبادی کا تعارف

39.4: نظیر کی نظموں کی خصوصیات

39.5: سبق: آدمی نامہ

39.6: نظم ''آدمی نامہ'' کی تشریح

39.7: سبق پر سوالات

39.8: آپ نے کیا سیکھا

39.9: اختتامی سوالات

39.10: فرہنگ

39.11: سبق پر سوالات کے جوابات

39.1: اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظم ''آدمی نامہ'' کا مطالعہ کریں گے۔ اس اکائی میں نظیر اکبر آبادی کے تعارف اور ان کی نظم نگاری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے نظم ''آدمی نامہ'' کی تشریح کی گئی ہے۔

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ

- صنف نظم سے واقف ہوں گے۔
- نظم کے موضوع کو سمجھیں گے۔
- نظیر اکبر آبادی کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔
- آدمی کے مختلف روپ کو سمجھ سکیں گے۔

Scanned by CamScanner

آپ جانتے ہیں کہ اردو میں نظم کے دو معنی ہوتے ہیں۔ پہلے معنی میں تمام شاعری یعنی موزوں کلام نظم ہے اور دوسرے معنی میں شاعری کی خاص صنف کو نظم کہا جاتا ہے۔ نظم کے لیے کسی موضوع یا مضمون کی قید نہیں ہوتی۔ نظم میں زندگی کے ہر قسم کے تجربات، احساسات اور خیالات بیان کیے جاتے ہیں۔ اردو میں نظم کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے لیکن اس صنف کا باقاعدہ فروغ انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ نظم کی تکنیک اور ہیئت (شکل وصورت) میں بہت سی تبدیلیاں بھی آئیں۔

39.3: نظیر اکبرآبادی کا تعارف

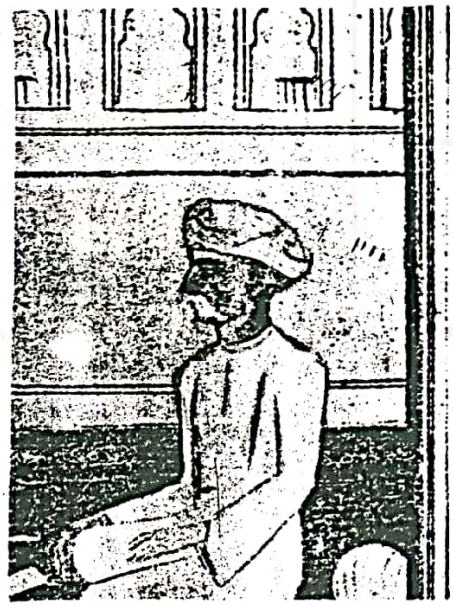

نظیر اکبرآبادی اردو کے اولین نظم نگاروں میں سب سے اہم ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کا پورا نام ولی محمد تھا اور نظیر تخلص۔ نظیر 1737 میں پیدا ہوئے۔ دہلی پر احمد شاہ ابدالی کے حملے کی وجہ سے وہ اپنی ماں اور نانی کے ساتھ آگرہ آ گئے اور تاج محل کے قریب محلّہ تاج گنج میں رہنے لگے۔ اور تمام عمر یہیں رہے۔ نظیر کی ابتدائی تعلیم اس وقت کی عام تعلیم کے مطابق ہوئی۔ نظیر کو اردو زبان کے ساتھ فارسی زبان میں بھی مہارت حاصل تھی۔ نظیر اکبرآبادی صوفی مزاج انسان تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کہا۔ ان کا کلام جتنا مل سکا وہ ''کلیات نظیر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نظیر اکبرآبادی ایک عوامی شاعر تھے۔ خواص (بڑے لوگ) سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ ہر طرح کے لوگوں سے ملتے جلتے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ میلے ٹھیلے کھیل تماشے، نوٹنکی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، مرغ بازی ہر طرح کے کھیل تماشوں میں ان کی دلچسپی تھی۔ اس لیے عوامی مزاج کی ان تمام چیزوں کو نظیر اکبرآبادی نے اپنی نظم کا موضوع بنایا ہے۔ اس کے

Scanned by CamScanner

39.4: نظیر کی نظموں کی خصوصیات

نظیر کی نظموں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نظموں میں عام زبان، سادہ بیان کے ساتھ عوامی جذبات و احساسات کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کا بیان بہت پر اثر ہے۔ نظیر کے یہاں انسان کی ذات اور اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ وہ انسان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی نظموں میں زندگی کی چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ ہر موضوع کی چھوٹی سی چھوٹی بات نظیر کی نظموں میں بیان کی گئی ہے۔ اس لیے ان کے یہاں اردو کے سب سے زیادہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی خالص ہندستانی شاعر ہیں۔ ان کی نظموں میں ہندستانی فضا، ماحول، چرند پرند، کھیل کود، ہولی، دیوالی، برسات، جاڑا سب ہندستانی ہے۔ اس لحاظ سے نظیر کے برابر کا شاعر اردو میں کوئی نہیں۔

39.2: سبق: آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

☆

Scanned by CamScanner

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

☆

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لارے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

☆

یاں آدمی ہی لعل، جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہوگیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بدنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

☆

حیران ہوں، یارو، دیکھو تو یہ کیا سوانگ ہے
آپ آدمی ہی چور ہے اور آپھی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی، اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثلِ رانگ ہے
فولاد سے کڑا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

☆

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر

Scanned by CamScanner

39.6: سبق ''آدمی نامہ'' کی تشریح

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ آدمی کو اللہ نے اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی برائی نہیں اسی طرح انسان کی حقیقت میں بھی کوئی برائی نہیں ہے لیکن دنیا میں اچھے کام کرنے والا بھی آدمی ہے اور برے کام بھی آدمی ہی کر رہا ہے۔ اور کوئی دوسرا نہیں۔ یہ نظم اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ آدمی کو اپنی حقیقت سمجھنا چاہیے۔ دنیا میں جو کچھ آدمی کر رہا ہے اس کو نظیر نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ہر آدمی کو پیدا کرنے والا اللہ ہے تو پھر آدمیوں کے کردار اور ان کی حالتوں میں فرق کیوں ہے؟ آدمی ہی برائیوں اور اچھائیوں کو پیدا کرتا ہے۔

پہلے بند میں نظیر کہتے ہیں کہ دنیا میں حکومت کرنے والے بادشاہ بھی گوشت پوست کے آدمی میں وہ کوئی دوسری مخلوق نہیں جبکہ غریب اور بھکاری بھی اسی طرح کے آدمی ہیں۔ امیر اور مجبور و لاچار آدمی بھی آدمی ہے جس کو اللہ نے بہت سی چیزیں کھانے کو دی ہیں اور وہ بھی آدمی ہی ہے جو دانے دانے کو محتاج ہے اور روٹی کے ٹکڑے مانگ رہا ہے۔ یہ سب کیا ہے اور یہ سب کیوں ہے۔

دوسرے بند میں نظیر نے آدمی کے الگ الگ کردار اور ان کی خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ وہ بھی آدمی ہے جو دوسرے آدمی کو بچانے کے لیے اپنی جان دے دیتا ہے۔ اس پر اپنی زندگی قربان کر دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ بھی آدمی ہے جو تلوار سے دوسرے آدمی کی جان لے لیتا ہے۔ وہ بھی آدمی ہے جو دوسرے آدمی کی پگڑی اتارتا ہے۔ یعنی اس کی بے عزتی کرتا ہے۔ وہ بھی آدمی ہی ہے جو اپنی مدد کے لیے دوسرے آدمی کو پکارتا ہے۔ یعنی کمزور پریشان اور اس کی آواز کو سن کر مدد کے لیے دوڑنے والا بھی یعنی ہمدرد بھی آدمی ہی ہے۔ ایک آدمی کا کردار کچھ ہے اور دوسرے کا کچھ اور۔

تیسرے بند میں بازار کے حوالے سے آدمی کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی بازار میں دکانیں لگا کر بیٹھنے والے بھی آدمی

Scanned by CamScanner

ہی ہیں۔ اور بازار میں کوئی اپنا سامان بیچنے کے لیے پریشان اور آواز لگاتا ہے کہ چیز خرید لو، لے لو اور وہیں پر کوئی دکاندار ایسا ہے جس کا سامان پر لوگ ٹوٹے ہوئے ہیں اور لا رے لا کہہ کر پیسے وصول کر رہا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں آدمی ہی ہیں۔ اسی بازار میں کوئی آدمی سر پر خوانچہ اٹھائے اپنا سامان بیچنے کے لیے مارا مارا پھر رہا ہے۔ اس نے اپنا سامان کس کس محنت سے بنایا ہے۔ اس سامان کو جو خرید رہا ہے وہ بھی آدمی ہی ہے۔ ایک آدمی کے کتنے روپ ہیں۔

اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے کردار کی خوبی کی وجہ سے لعل و جواہر قیمتی پتھروں کی طرح بہت اہم ہیں لیکن یہاں پر ایسے بھی لوگ ہیں جن کی بدکرداری کی وجہ سے ان کی اہمیت مٹی سے بھی گئی گزری ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو توے کی سیاہی سے زیادہ کالے ہیں اور اتنے گورے لوگ بھی ہیں جو چاند کا ٹکڑا لگتے ہیں یعنی بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں، جو بہت بدصورت اور بہت بُرے دِکھنے والے ہیں لیکن وہ بھی آدمی ہی ہیں۔

شاعر دنیا کے آدمیوں کے یہ الگ الگ روپ دیکھ کر حیران ہے۔ کیوں کہ جب سب آدمی ہیں تو ان کے یہ روپ الگ الگ کیوں ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا ہے کہ یہ کیسا تماشا ہے۔ کیوں کہ چوری کرنے والا بھی آدمی ہے اور اس کو پکڑنے والا بھی آدمی۔ لوگوں سے مال چھیننے والا بھی آدمی ہے اور قرض کر کے زندگی چلانے والا بھی آدمی ہے۔ اس دنیا میں وہ بھی آدمی ہے جو رانگے کی طرح ملائم ہے اور وہ بھی آدمی ہے جو فولاد کی طرح مضبوط ہے۔

آخری بند میں نظیر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آدمی اپنی مختلف سماجی حیثیتوں اور عہدوں کے بعد بھی آدمی ہی ہوتا ہے۔ شریف کمینے، بادشاہ، وزیر، عزت والے، حقیر، سب آدمی ہی ہیں۔ اس دنیا میں جو پیر یعنی روحانی رہنمائی کرنے والے اور جو مرید ہیں یعنی روحانی رہنمائی حاصل کرنیوالے بھکت دونوں آدمی ہی ہیں۔ نظیر اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ یہاں ہم جن لوگوں کی بہت عزت کرتے ہیں اور انھیں بہت اچھا کہتے ہیں وہ بھی آدمی ہی ہیں اور جن کو ہم بہت برا جانتے ہیں وہ بھی آدمی ہی ہیں۔ یہ اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ یہ کیسا تماشا ہے؟

نظم کا لب لباب یہ ہے کہ جب سب آدمی ہیں تو ان کے درمیان تفرقہ کیوں ہے؟ وہ ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہیں؟ ہم سب کو مل بانٹ کر رہنا چاہیے اور جو جیسا ہے جو کام کر رہا ہے، اسے آزاد رہ کر اپنے میں مست رہنا چاہیے۔ یہی خاموش پیغام اس نظم میں چھپا ہوا ہے۔

Scanned by CamScanner

39.8: آپ نے کیا سیکھا

- اردو میں نظم کے دو معنی ہیں۔ اول: تمام موزوں کلام کو نظم کہا جاتا ہے۔ دوم: نظم اردو شاعری کی ایک خاص صنف ہے۔
- اردو میں نظم کا آغاز اٹھارہویں صدی سے ہوتا ہے لیکن اس پر باقاعدہ توجہ انیسویں صدی کے آخر میں دی گئی۔
- نظیر اکبرآبادی ایک عوامی شاعر ہیں۔ انھوں نے عوامی جذبات و احساسات، میلے ٹھیلے، تیوہاروں پر پراثر نظمیں کہی ہیں۔
- ''آدمی نامہ'' نظم میں نظیر نے آدمی کے مختلف رویوں اور اس کے مختلف کرداروں کو بیان کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

زردار = دولت والا

نعمت = خدا کی دی ہوئی چیز

جان کو وارے = قربان کرنا / نچھاور کرنا

پگڑی اتارنا = بے عزتی کرنا

مول = خریدنا

جواہر = قیمتی پتھر

بدتر = بہت برا

چاند کا ساٹکڑا = بہت پیارا

سوانگ = بہروپ

تھانگ = چور کا پتہ لگانے والا

مثل = جیسا

فولاد = مضبوط لوہا / اسٹیل

اشراف = شریف لوگ

شاہ = بادشاہ

حقیر = کم تر

پیر = روحانی رہنما

بے نوا = بے آواز / مجبور ولاچار

یاں = یہاں

تیغ = تلوار

خوانچا = بید کی ٹوکری جس پر سامان رکھ کر بیچتے ہیں

لعل = سرخ رنگ کا قیمتی پتھر

بے بہا = بہت قیمتی

جوں = جس طرح

بدنما = برا دکھنے والا

آپھی = آپ ہی

مانگ تانگ = مانگنا

رانگ = ایک نرم دھات / قلعی

کڑا = سخت

کمینے = ذلیل لوگ

صاحب عزت = عزت والے

مرید = پیر کا بھگت

39.11: سبق پر سوالات کے جوابات

1. بازار میں دکانیں لگانے والے جن کا مال نہیں بک رہا ہے اور جن کا مال خوب بک رہا ہے وہ بھی آدمی ہیں۔ سر پر خوانچا لے کر گھومنے والا اور سامان خریدنے والے سب آدمی ہیں۔
2. بادشاہ اور فقیر دونوں آدمی ہیں بس فرق اتنا ہے کہ ایک آدمی کا حکم چلتا ہے اور ایک آدمی غریب ہے۔
3. لعل و جواہر کی طرح اہم وہ لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے سماج کی خدمت کی ہو۔ لوگوں کے کام آئے ہوں۔ علم و فن کی خدمت کی ہو۔
4. نظیر اکبر آبادی اس لیے حیران ہیں کہ اللہ نے آدمی تو ایک ہی بنایا تھا لیکن کس طرح وہ بادشاہ، فقیر، چور، تھانیدار، امیر غریب ہو گئے۔

Scanned by CamScanner

16.3.1 الطاف حسین حالی

حالی 1853 میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایزد بخش پانی پت کے محلہ انصاریاں میں رہتے تھے حالی ان کے دوسرے فرزند تھے۔ سترہ سال کی عمر میں ان کی شادی اسلام النسا سے ہوئی جو ان کی ماموں زاد بہن تھیں۔ دہلی میں مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لیا اور 1855 میں پانی پت واپس آکر اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ضلع حصار کے دفتر کلکٹری میں ایک معمولی ملازمت کی۔ 1857 کے ہنگامے کے بعد پھر واپس پانی پت چلے آئے۔ 1863 میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اپنے فرزند نواب بخش علی خاں کا اتالیق بنالیا۔ نواب کے انتقال کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں مترجم کی جگہ کام کرتے رہے یہاں مغربی ادبیات، مغربی علوم اور اہل مغرب کی ترقی سے واقفیت حاصل ہوئی۔ انجمن پنجاب کے قیام کے بعد محمد حسین آزاد کے ساتھ اس سے وابستہ ہوگئے۔ اسی دوران انجمن میں برکھارت، نشاط امید، مناظرہ رحم و کرم اور حب الوطنی جیسی نظمیں لکھیں۔ حالی کی تصانیف میں مولود شریف (1864)، مبادی علم ارضیات یا طبقات الارض اور مجالس النساء کا ذکر بھی ضروری ہے۔ نظم میں مسدس کی وجہ سے حالی کا نام ناقابل فراموش بن گیا ہے۔ مناجات بیوہ میں ایک بیوہ کی بپتیاں بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک پر اثر اور حقیقت پسندانہ نظم ہے۔ اس کا مجموعہ کلام 1893 میں شائع ہوا۔ دیوان کے ساتھ مقدمہ بھی شائع ہوا تو ادبی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔

حالی کو غالب سے بڑی عقیدت تھی۔ غالب کے انتقال کے بعد انھوں نے "یادگار غالب" لکھی جو 1897 میں شائع ہوئی۔ اس سوانح میں غالب کے حالات زندگی اور ان کی سیرت پر بڑے معتقدانہ اور فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ تصویر کے دونوں رخ پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سرسید کے واقعات زندگی اور ان کے کارناموں کو لے کر "حیات جاوید" سوانح لکھی۔ جس میں سرسید کی ہمہ جہت شخصیت کو بڑے مدلل طریقے سے پیش کیا ہے۔ "چپ کی داد" بھی ان کی اہم نظموں میں سے ایک ہے۔

حیدرآباد میں ریاست کے وزیر اعظم سر آسمان جاہ سے حالی کی 1887 میں ملاقات ہوئی اور انھوں نے پچھتر روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کردیا۔ اس سے قبل وہ اینگلو عربک اسکول میں ساٹھ روپیہ ماہوار پر ملازم تھے۔ 1904 میں حکومت برطانیہ نے شمس العلما کا خطاب دیا۔ 31 دسمبر 1915 کو انتقال ہوا۔ 1857 میں حالی کی سرسید سے ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے جدید خیالات، اپنی ادبی صلاحیتوں، قومی ہمدردی اور نئے تہذیبی تقاضوں سے آگہی کی وجہ سے ان سے قریب ہوگئے۔ حالی نے اپنی مسدس میں، قوم کی زبوں حالی، اخلاقی انحطاط اور نئے حالات سے

بے خبری کا ذکر کیا ہے اور قوم کو غیرت دلائی ہے۔ مسدس حالی کو "مد و جزر اسلام" بھی کہا جاتا ہے یہ سرسید کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ یہ حالی کا ایک یادگار کارنامہ بھی ہے۔

حالی ایک شاعر اور نقاد ہی نہیں تھے بلکہ ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ سرسید کی صحبت میں رہ کر ایک اہل معمار بن گئے تھے۔ حالی کی تحریروں میں سماجی اصلاح، حب الوطنی اور قومی ترقی کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین، تحریروں اور ادبی کی حق گوئی و حق پسندی، مسلمانوں میں منشیات، بدگمانی اور الدین بسر وغیرہ میں مذہب کی عظمت اور اس کی اخلاقی قدر و قیمت کا احترام کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ بہتر اخلاقی زندگی بسر ہو سکے۔ اس کے علاوہ سرسید نے ادب کا جو تصور پیش کیا تھا اس پر حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" میں روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ادب میں پرکاری، تصنع، بلاغت اور آرائش سے احتراز کیا جائے اور سادگی، شگفتگی، فطری انداز اور سلاست کو اپنایا جائے تاکہ ترسیل و ابلاغ کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔ حالی ان مصنفین میں سے ہیں جنھوں نے سوانح نگاری کو مقبولیت عطا کی اس سلسلے میں حیات جاوید، حیات سعدی اور یادگار غالب ان کے کارنامہ ہیں۔

حالی نے سرسید کے حالات اور ان کے کارناموں کو حیات جاوید (1901) میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے یادگار غالب کا وصف یہ ہے کہ اس میں غالب کے مستند حالات قلمبند کیے گئے ہیں اور غالب کے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ ایسی سوانح عمری ہے جو اردو کے سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ تصور کی جاتی ہے۔ شیخ محمد اکرام نے اسے ایک جامع سوانح حیات قرار دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے حالی نے غالب کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور ان کی شخصیت اور تہذیبی و ادبی افکار کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ یادگار غالب میں حالی حیات سعدی کے مقابلے میں زیادہ غیر جانبدار اور بے لاگ نظر آتے ہیں۔

Scanned by CamScanner